احکام النذر لاولیاء اللہ
وتفسیر ما اہل بہ لغیر اللہ
تصنیف
محدث کبیر فقیہ جلیل حضرت مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمن الاعظمی رحمۃ اللہ علیہ
باہتمام
مولانا رشید احمد الاعظمی
ناشر
المجمع العلمی
مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ مرقاۃ العلوم مئو
پوسٹ بکس نمبر ۱۰، مئو ۲۷۵۱۰۱، یو۔پی انڈیا

احکام النذر لاولیاء اللہ

احکام النذر لاولیاء اللہ وتفسیر ما اُہل بہ لغیر اللہ

محدث کبیر فقیہ جلیل حضرت مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمن الاعظمی

باہتمام

مولانا رشید احمد الاعظمی

ناشر

مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ مرقاۃ العلوم مئو

پوسٹ بکس ۱، مئو ۲۷۵۱۰۱، یو.پی انڈیا

نام کتاب	:	احکام النذر لاولیاء اللہ وتفسیر مااہل بہ لغیر اللہ
تصنیف	:	حضرت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمیؒ
صفحات	:	۳۱
سن اشاعت	:	۱۴۳۵ھ=۲۰۱۴ء
طبع دوم	:	۱۰۰۰
ناشر	:	المجمع العلمی، مرکز تحقیقات وخدمات علمیہ، مئو
قیمت	:	۲۵/=
باہتمام	:	مولانا رشید احمد الاعظمی

ملنے کا پتہ

مرقاۃ العلوم-پوسٹ بکس نمبر۱

مئوناتھ بھنجن-۲۷۵۱۰۱

یوپی انڈیا

فہرست

عرض ناشر

پیش نظر رسالہ ایک مختصر مگر نہایت وقیع، جامع اور پر مغز تحریر ہے، یہ اردو زبان میں اپنے موضوع پر ایک ایسی منفرد تحریر ہے جو مسئلے کے تمام پہلوؤں کا نہایت جامعیت کے ساتھ احاطہ کیے ہوئے ہے، اس رسالے میں ''نذر'' کی متعدد صورتوں اور ان کے احکام ومسائل پر نہایت مستحکم اور ٹھوس دلائل کے ساتھ فقہ واصول کی معتبر کتابوں سے روشنی ڈالتے ہوئے ان کی تشریح وتوضیح کی گئی ہے، اس سے یہ مشکل اور معرکۃ الآراء مسئلہ پوری طرح روشن اور مدلل ومبرہن ہوگیا ہے، اور ''نذر'' کی مختلف شکلوں پر تشفی آمیز گفتگو اور سیر حاصل بحث کر کے بغیر کسی ابہام اور ژولیدگی کے ان کو مجلّٰی کردیا گیا ہے۔

اس مختصر رسالے کی جامعیت وافادیت کے لیے یہ عرض کردینا ہی کافی ہوگا، کہ محدث ومحقق وعلامہ حضرت مولانا الاعظمیؒ نے ممتاز عالم دین اور رئیس المناظرین حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست اور پیہم اصرار پر اس کو سپرد قلم فرمایا تھا۔ مولانا نعمانی علیہ الرحمۃ حضرت محدث الاعظمی قدس سرہ کے اولین شاگردوں میں تھے، اور اُن سے اُن کے کسی عزیز اور اہل تعلق نے اس کے متعلق استفسار کیا تھا، اس کے تشفی آمیز جواب کے لیے حضرت مولانا نعمانی کو اپنے استاذ گرامی کے علاوہ کوئی دوسری شخصیت نظر میں نہیں آئی، اور انھوں نے حضرت مولانا الاعظمیؒ کی خدمت میں اس کے لیے درخواست کی، اس پر مولانا نعمانی مرحوم کا ایک مکتوب شاہد ہے، انھوں نے ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ کے ایک خط میں مولانا اعظمی کو لکھا ہے:

''میں ناظرین الفرقان سے وعدہ کر چکا ہوں کہ آئندہ انشاء اللہ حضرت مولانا کا مضمون ''نذر لغیر اللہ'' کے موضوع پر شائع ہوگا، جو اس مسئلہ پر گویا فیصلہ کن ہوگا............اس مسئلہ کے متعلق اپنی طرف سے ابھی تک کوئی شافی چیز نہیں لکھی گئی ہے''۔

حضرت مولانا اعظمی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ رسالہ سپرد قلم فرما کر اپنے شاگرد عزیز مولانا نعمانی کے پاس روانہ کر دیا، جو ''بریلی الیکٹرک پریس- بریلی'' سے طبع ہو کر ''مکتبہ الفرقان- بریلی'' سے شائع ہوا تھا۔ یہ اس کا طبع اول تھا، اس کے بعد دوبارہ اس کے اشاعت کی نوبت نہیں آئی، الا یہ کہ چند سال پہلے سہ ماہی رسالہ ''المآثر'' میں اس کو قسطوں میں شائع کیا گیا تھا۔ کتابی شکل میں اب اس کا دوسرا اڈیشن منظر عام پر لاتے ہوئے بارگاہِ رب العزت میں ہم سجدۂ شکر بجالاتے ہیں کہ اس نے اس کی طبع واشاعت کی توفیق عنایت فرمائی، اور پورے عجز و نیاز کے ساتھ اس احد وصمد کے سامنے دست بدعا ہیں کہ اس کو قبولیت بخشتے ہوئے اس کے نفع کو عام فرمائے، آمین۔

احکام النذر لا ولیاء اللہ
وتفسیر ما اُہل بہ لغیر اللہ

استفسار

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ وصحبہ وأتباعہ أجمعین.

چونکہ نذر لغیر اللہ کے مسئلہ میں بعض اشخاص نے بہت الجھاؤ پیدا کر دیا ہے، اس لیے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات از راہ کرم ایسی وضاحت سے ارشاد فرمایئے کہ الجھاؤ دور ہو جاوے۔

۱- ما أهل به لغير الله کی صحیح تفسیر کیا ہے؟

۲-اولیاء کرام کے نام پر نذروں کا کیا حکم ہے؟

....

الجواب واللہ الملہم للصواب

جواب سوال اول:- اھــــلال کے معنی لغت میں چاند دیکھنے کے ہیں، لیکن چونکہ چاند

دیکھنے کے بعد باٰواز بلند اللہ اکبر کہنے کی عادت تھی، اس مناسبت سے اِھــلال کا لفظ آواز بلند کرنے کے معنی میں مستعمل و مشہور ہو گیا، لہذا ما اُھل به لغیر اللّٰه کے معنی یہ ہوئے کہ جس پر غیرِ خدا کے لیے آواز بلند کی گئی، چنانچہ بیضاوی و زمخشری وغیرہ مفسرین نے اس لفظ کی تفسیر آواز بلند کرنا ہی کی ہے۔ اتنی بات تو قریب قریب اتفاقی ہے، ہاں اس کے بعد بعض مفسرین کی تحقیق ہے کہ جانور پر غیرِ خدا کے لیے آواز بلند کرنے سے مراد غیرِ خدا کے نام سے اس کی تشہیر کرنا اور بطور نذر و تقرب کے غیرِ خدا کے نام سے اس کو نامزد کرنا ہے، اور دوسروں نے یہ لکھا ہے کہ ذبح کے وقت غیرِ خدا کا نام لینا مراد ہے، لیکن میرے نزدیک یہ اختلاف کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور میں اس کی حیثیت نزاعِ لفظی سے زیادہ نہیں سمجھتا، اس لیے کہ جملہ مفسرین نے ما اُھل به لغیر اللّٰه کے حرام ہونے کی علت تقربِ غیرِ خدا سمجھی ہے، اور اس فقرے کا موڈٰی سب کے نزدیک یہ ہے کہ جس جانور کے خون بہانے سے غیرِ خدا کے ساتھ تقرب کا قصد کیا گیا ہو، اگرچہ ظاہرِ الفاظ اور شانِ نزول کی رعایت کرتے ہوئے یہ تفسیر کردی ہے کہ: ''جس کے ذبح کے وقت غیرِ خدا کے نام کے ساتھ آواز بلند کی گئی ہو'' بلکہ اکثر کتب میں غیر خدا کے بجائے خاص ''صنم'' مذکور ہے، حالانکہ یہ تخصیص کسی کے نزدیک مراد نہیں ہے، چنانچہ علامہ قونوی نے فرمایا: **قیـد الـصـنـم لـرد المشرکین وإلا فالمراد غیر اللّٰه مطلقاً سواء کان صنماً أو غیره** (اکلیل ۲/۸۱)

میں نے جو دعویٰ کیا، اس میں کسی منصف کے لیے مطلقاً جائے تردد و شک نہیں ہے، لیکن مزید اطمینان کے لیے اس دعویٰ کی تائید میں چند باتیں پیش کرتا ہوں:

۱- ازانجملہ یہ کہ علامہ قونوی نے تصریح کی ہے کہ ذبح کے وقت میں آواز بلند کرنے کے ساتھ تفسیر کرنا اصلی معنی کا بیان ہے، اور مراد و مقصود اس سے غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا ہے، علامہ قونوی کی عبارت یہ ہے: **رفع بـه الـصـوت عند ذبحه للصنم، هذا أصله، ثم جعل عبارة عما ذبح لغیر اللّٰه** (اکلیل ۲/۸۱)

۲-ازانجملہ یہ کہ علامہ شیخ زادہ نے حاشیہ بیضاوی میں لکھا ہے کہ: ما أهل به لغير الله کا مطلب یہ ہے کہ جو اصنام وطواغیت کے لیے ذبح کیا گیا ہو، اوراس کے متصل ہی یہ نقل فرمایا کہ جو مسلمان بہ نیت تقرب غیرِ خدا کوئی جانور ذبح کرے تو وہ مرتد ہوجاتا ہے، اوراس کا ذبیحہ مردار کے حکم میں ہے، عبارت ملاحظہ ہو: فمعنى قوله ما أهل به لغير الله ما ذبح للأصنام والطواغيت، قال العلماء: لو ذبح مسلم ذبيحة وقصد بها التقرب إلى غير الله تعالىٰ صار مرتداً وذبيحته ميتة (اکلیل ۲/۸۱)

۳-ازانجملہ یہ کہ مفسرین میں سے ابن کثیر، نیشاپوری، صاحبِ روح البیان اور فخرالدین رازی وغیرہم نے اس آیت کی تفسیر کے ماتحت یہ ذکر کیا ہے کہ کوئی مسلمان بقصدِ تقربِ غیرِ خدا کوئی جانور ذبح کرے تو مرتد ہوجاتا ہے، یہ جزئیہ اس مقام پر اسی وقت چسپاں ہوسکتا ہے، جب ما أهل به لغير الله کی یہی مراد ہو کہ جو تقربِ غیر خدا کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔

۴-وازانجملہ یہ کہ متعدد مفسرین نے ما أهل به لغير الله کی تفسیر ما ذبح لغير الله کی ہے، ظاہر ہے کہ یہ معنی لغوی کا بیان نہیں، بلکہ مقصود کا بیان ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ما ذبح لغير الله کا مطلب یہ ہے کہ غیر کے تقرب وتعظیم کے لیے ذبح کیا جاوے، جس میں وہ جانور بھی داخل ہے، جو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، اور وہ بھی جو خدا کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو، مگر بہ نیتِ تقربِ غیرِ خدا۔

فائدہ یہاں پہنچ کر یہ بات بھی واضح کردینی مناسب ہے کہ بعض مفسرین نے اہلال کی تفسیر ذبح کے ساتھ کرنے پر جو انکار کیا ہے، اس انکار کا منشا صرف یہ ہے کہ لغت میں اہلال بمعنی ذبح نہیں آیا ہے، اس لیے اہلال کی لغوی تفسیر ذبح کے ساتھ صحیح نہیں، یہ منشا نہیں ہے کہ إهلال لغير الله کی تفسیر بطور بیان مراد بھی "ذبح لغير الله" بیان کرنا صحیح نہیں ہے،

چنانچہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ صاف صاف تحریر فرماتے ہیں: ''کہ ہرگز اھلال در لغتِ عرب وعرفِ آں دیار وآں وقت بمعنی ذبح نیامدہ در ہیچ شعر و ہیچ عبارت'' الخ۔

پھر لکھتے ہیں کہ: ''واگر کسے بگوید کہ اھللت للّٰہ ہرگز بمعنی ذبحت للّٰہ فہمیدہ نخواہد شد، ونیز اگر اھــــل را بر ذبح حمل کردہ شود، پس ذبح لغیر اللہ مراد خواہد شد ذبح باسم غیر اللہ از کجا فہمیدہ می شود تا مدعائے ایں مردم حاصل شود، پس در یں عبارت اہلال را بمعنی ذبح گرفتن باز لغیر اللہ را بجائے باسم غیر اللہ ساختن قریب بہ تحریف کلام الٰہی می رسد''۔

اس عبارت سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ شاہ صاحب اس تفسیر کو اس صورت میں تحریف کلام الٰہی کے قریب کہتے ہیں جب اھلال کو بمعنی ذبح لیں، پھر لغیر اللہ کو باسم غیر اللہ کے معنی میں اس واسطے لیں، کہ جو جانور بقصد تقرب غیر خدا، خدا کا نام لے کر ذبح کیا جاتا ہے، اس پر ما أهل به لغير الله صادق نہ آنے پائے۔

۵-وازانجملہ یہ کہ صاحب درمختار نے فقہاء حنفیہ میں سے اور مروزی نے فقہاء شافعیہ میں سے تصریح کی ہے کہ وہ جانور جو امیر وغیرہ کے آنے کے وقت میں خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے ما أهل به لغير الله ہے، درمختار کی عبارت یہ ہے: ذبح لقدوم الأمير ونحوه كواحد من العظماء يحرم لأنه أهل به لغير الله، ولو...... ذكر اسم الله عليه (ص ۳۹۹)۔

اور نووی شرح مسلم میں ہے: وذكر المروزي من أصحابنا أن ما يذبح عنداستقبال السلطان تقرباً إليه، أفتى أهل بخارىٰ بتحريمه لأنه مما أهل به لغير الله (۲/۱۶۱)۔

ان دلائل سے یہ بات خوب اچھی طرح ثابت ہوگئی کہ ما أهل به لغير الله کی علتِ حرمت تمام مفسرین کے نزدیک قصدِ تقرب الی غیر اللہ ہے، یا یوں کہہ لیجئے کہ اس

عبارت کا مودّیٰ اور اس عنوان کا معنون سب کے نزدیک ما قصد به التقرب الی غیر الله (جس کے ذریعہ غیر خدا کے ساتھ تقرب کا قصد کیا جائے) ہے، اور یہ کہ جس جانور کو بقصد تقربِ غیر خدا ذبح کیا جائے- چاہے ذبح کے وقت خدا ہی کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ ما أهل به لغير الله میں داخل ہے۔

اور یہ ایسی بات ہے کہ جو لوگ اولیاء کے نام کے جانوروں کو جائز ثابت کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں، ان لوگوں نے بھی دبے لفظوں میں اس کا اقرار کرلیا ہے، چنانچہ رسالہ ''ارشاد الحق''[1] میں- جس پر اس فریق کے بڑے بڑوں کے دستخط ہیں- مرقوم ہے:
''یہاں پر یہ جان لینا ضروری ہے کہ ما أهل به لغير الله کی شرعاً تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ وہ جانور جو صرف بت یا کسی ولی کے نام پر ذبح کیا جاوے؛ دوسری صورت یہ کہ بوقت ذبح اللہ تعالیٰ کے نام کے متصل غیر اللہ کا نام عطف کے ساتھ لیا جاوے؛ تیسری صورت یہ کہ ذابح کا مقصود ذبح سے صرف تقرب الی الغیر ہو نہ کہ تقربِ خدا، پس ایسے جانور حرام ہیں (ص ۱۵)۔

اس عبارت میں تیسری صورت کو بغور پڑھئے، یہ وہی صورت ہے جس کو ہم نے اوپر لکھا ہے، یعنی یہ کہ خدا کا نام لے کر بقصد تقرب غیر خدا ذبح کیا گیا ہو، کیونکہ اگر تیسری صورت میں بھی تنہا غیر خدا کا نام لینا یا خدا کے نام کے ساتھ غیر خدا کا نام لینا مراد ہو، تو یہ پہلی یا دوسری صورت ہو جائے گی۔

نیز اسی رسالہ ارشاد الحق میں مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ اپنی تائید میں نقل کیا گیا ہے، اس فتویٰ کی ابتدائی سطریں یہ ہیں: ''ما أهل به لغير الله'' سے مراد وہ جانور ہے جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے تقرب کی غرض سے ذبح کیا جاوے، اور إراقة

(۱) رسالہ ارشاد الحق مولوی سید امیر علوی پنجابی ثم الاجمیری نے تصنیف کیا ہے اور اب سے چند روز پہلے بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا ہے۔ ۱۲

الـدم سے غیر خدا کی تعظیم مقصود ہو، اور خاص غیر کے لحاظ سے جان دینا مقصود ہو، ایسا جانور حرام ہے، اگرچہ بوقت ذبح بسم اللہ اس پر کہی جاوے (ارشاد الحق ص ١٧)

لطیفہ | ناظرین کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ارشاد الحق کا مصنف ص ١۵ میں تو مـا اُھـل بـه لـغیـر اللّٰه کی تین صورتیں لکھتا ہے، اور ص ١٨ میں چل کر خود اپنا لکھا ہوا بھول جاتا ہے، اور کہنے لگتا ہے کہ مـا اُھـل به لغیر اللّٰه میں محض وہ جانور مراد ہے، جو کسی کے نام پر خدا کے سوا ذبح کیا گیا ہو۔ سچ ہے "دروغ گو را حافظہ نباشد"۔

جواب سوال دوم:- اس سوال کا تفصیلی جواب سننے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ کسی مخلوق کے نام کی نذر ماننا حرام ہے، شامی وغیرہ کتب فقہ حنفی میں مذکور ہے: والـنـذر لـلـمـخـلـوق لا یجوز لأنه عبادة، والعبادة لا تکون لمخلوق (١٣١/٢) یعنی مخلوق کے واسطے نذر ماننا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہوتی۔

لہذا اولیاء کے نام کی نذریں اگر اولیاء کے لیے یا ان کے تقرب و تعظیم کے قصد سے مانی جاتی ہیں، تو ان کی حرمت میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، درمختار اور بحر الرائق میں ہے:

اعلم أن النذر الذي یقع للأموات مـن أکثـر الـعـوام ومـا یوخذ من الـدراهـم والشـمـع والـزیـت ونـحـوهـا وتـنتـقـل إلی ضرائح الأولیـاء تـقـربـاً إلیهم، فحـرام وباطل بإجماع المسلمین.

یعنی وہ نذر جو اکثر عوام سے مُردوں کے واسطے واقع ہوتی ہے، اور وہ روپے پیسے، موم بتی اور تیل وغیرہ جو اولیاء کے مزارات پر اولیاء کے تقرب کے لیے لے جائے جاتے ہیں، وہ سب حرام و باطل ہیں، مسلمانوں کا اس پر اجماع و اتفاق ہے"۔

اور عالمگیری نیز بحر الرائق وغیرہ میں ہے:

والنذر الذي يقع من أكثر العوام بأن يأتي إلى قبر بعض الصلحاء ويرفع ستره قائلاً يا سيدي فلان إن قضيت حاجتي فلك مني من الذهب مثلاً كذا باطل إجماعاً.

یعنی اکثر عوام سے اس طرح جو نذر واقع ہوتی ہے کہ کسی نیک اور بزرگ کی قبر کے پاس آئے اور چادر اٹھا کر کہا کہ اے فلاں بزرگ! میرا فلاں کام ہو جائے، تو آپ کے لیے میری طرف سے مثلاً سونے کی اتنی مقدار ہے (یعنی اتنا سونا دوں گا) تو یہ نذر باطل ہے"۔

اور حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالا بد منہ میں لکھتے ہیں: "و نذر برائے ایشاں کردن حرام ست" یعنی اولیاء کے واسطے نذر ماننا حرام ہے۔

فوائد عبارات منقولہ بالا سے کئی باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱- پہلی بات یہ کہ صاحب بحر، صاحب در مختار، اور جامعین عالمگیری شہادت دیتے ہیں کہ اکثر و بیشتر عوام اس طرح کی نذر مانتے ہیں کہ "اے فلاں بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے، تو اتنی رقم آپ کی نذر کروں گا"؛ بلکہ ان حضرات سے بھی اجل واقدم علامہ قاسم نے تو یہ بھی فرمایا ہے کہ اکثر عوام کا اس طرح نذر کرنا مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ (بحر الرائق) اور خود "ارشاد الحق" کا مصنف جو نذر اولیاء کا بڑا حامی ہے، نذر اولیاء کی ناجائز صورتیں بیان کر کے بادل ناخواستہ لکھتا ہے کہ "بے شبہ بعض جاہل اس قسم سے نذر کرتے ہیں" (ص ۷)۔

پس ان اجلہ فقہاء کی شہادت اور اپنے زبانی اقرار کے باوجود بھی حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ پر یہ اعتراض کرنا کہ "انھوں نے مسلمانوں کے حق میں بدگمانی و بدظنی سے کام لیا اور ان کی نذروں کو خواہ نخواہ مشرکانہ قرار دیا" صریح بے انصافی اور خالص تعصب پروری

ہے۔ مولانا شہیدؒ کے فرمانے سے تو آگ لگ گئی؛ لیکن جب علامہ قاسم، علامہ ابن نجیم، علامہ حصکفی اور جامعین فتاویٰ عالمگیریہ نے اکثر عوام کا دستور و معمول یہ بتایا کہ وہ اولیاء کے واسطے نذر مانتے ہیں، اور یہ حرام ہے، تو کسی بریلوی کی یا اجمیری یا کچھوچھوی کی رگِ بدعت نہ پھڑکی، اور کسی کے منہ سے یہ نہ نکلا کہ "کسی مسلمان کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں کہ ہم بزرگوں کی عبادت کرتے ہیں، یا اس نذر سے ان کا تقرب چاہتے ہیں، نہ کوئی اس خیال کو گوارہ کرسکتا ہے، ہر مسلمان کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ یہ ایصال ثواب ان بزرگوں کے لیے ہے اور اسی مناسبت سے وہ (اولیاء کی طرف) نسبت کرتے ہیں"۔ جیسا کہ ارشاد الحق صفحہ ۴ پر حضرت شہیدؒ کے جواب میں یہ بات کہی گئی ہے، اور لطف یہ ہے کہ یہاں تو یہ کہا اور آگے چل کر صفحہ ۷ میں خود ہی اقرار کیا کہ "بے شبہ بعض جاہل اس قسم سے نذر کرتے ہیں"۔ جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ صفحہ ۴ میں جھوٹ بولا گیا ہے، اور یہ جھوٹ صرف حضرت شہیدؒ کی دشمنی اور ضد میں اور کسی نہ کسی طرح ان کی بات کو غلط ثابت کرنے کے لیے اختیار کیا گیا ہے، استغفر اللہ! یہ ہے ان حضرات کی اخلاقی حالت اور اہل سنت کے مقابلہ میں اہل بدعت کے جوابات کی حقیقت، اور لطف بالائے لطف یہ ہے کہ ارشاد الحق کے مصنف نے اتنا ہی نہیں بلکہ صفحہ ۷ میں یہ بھی اقرار کرلیا کہ بعض جاہل لوگ بزرگوں کو مستقل بالذات خدا کا ساجھی، معبود حقیقی بھی سمجھتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"(چھٹی قسم) کسی بزرگ کو مستقل بالذات خدا کا ساجھی معبود حقیقی سمجھ کر یہ کہے کہ اگر تم ہم کو بیٹا دو یا مالدار کردو، یا فلاں دشمن کی جان لے لو، تو ہم اس قدر جنس یا نقد تمھاری نذر کریں گے،

(ساتویں قسم) کسی بزرگ کی روح کی طرف متوجہ ہوکر یہ کہے کہ اگر تم ہمارا یہ کام کردو تو ہم تمھارے نام گائے یا بکری ذبح کریں گے، یہ دونوں صورتیں حرام ہیں، ناذر کافر

ہے، بے شبہہ بعض جاہل اس قسم سے نذر کرتے ہیں'' (ص ۷)۔
اس عبارت کو غور سے پڑھئے اور دیکھئے کہ ارشاد الحق کا مصنف ایسی نذر ماننے والوں کو کافر کہتے ہوئے اور یہ اقرار کرتے ہوئے کہ بعض جاہل لوگ بزرگوں کو مستقل بالذات خدا کا ساجھی سمجھ کر، بزرگوں کے نام گائے، یا بکری ذبح کرنے کی نذریں مانتے ہیں،'' پکا سنی حنفی ہے۔ لیکن حضرت شہیدؒ نے مستقل بالذات خدا کا ساجھی معبود حقیقی سمجھنے والا نہیں، بلکہ صرف مستقل حاجت روا سمجھنے والا بعض جاہلوں کو کہہ دیا اور اس بناء پر ان کی ان نذروں کو جو وہ اولیاء کے لیے کرتے ہیں، مشرکانہ کہہ دیا، تو اہل بدعت نے ایک ہنگامہ برپا کر دیا، اور وہابی وہابی کی چیخ پکار سے آسمان سر پر اٹھالیا۔

حضرت شہیدؒ کی منقولہ ذیل عبارت پڑھئے اور بتایئے کہ ارشاد الحق کی عبارت سے زیادہ سخت اس میں کیا بات ہے:

بالجملہ خدا را وآنہا را بعضے در مرتبۂ مساوی تقرب ورضا جوئی می نہند وبیان حال ہمیں بعض است ومن الناس من یتخذ من دون اللہ انداداً یحبونهم کحب اللہ والذین امنوا اشد حباً للہ وبعضے ترجیح میدہند وبعضے آنہا را کافی حاجات خود بالاستقلال دانستہ از دعا والتجا بجناب حضرت حق جل شانہ بے نیاز می شوند (صراط مستقیم ص ۵۷)

حاصل یہ کہ بعض لوگ خدا کو اور بزرگوں کو تقرب ورضا جوئی کے برابر مرتبہ میں رکھتے ہیں، انھیں کا حال اس آیت میں مذکور ہے کہ ''بعض لوگ خدا کے سوا شریک قرار دے لیتے ہیں جن سے خدا کی طرح محبت کرتے ہیں اور جو لوگ ایماندار ہیں وہ اللہ سے زیادہ سخت محبت کرتے ہیں'' اور بعض لوگ بزرگوں کی رضا جوئی مقدم رکھتے ہیں اور بعض ان کو مستقل حاجت روا جان کر خدا سے دعا والتجا کرنے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

حضرت شہید علیہ الرحمۃ نے جن نذروں کو مشرکانہ قرار دیا ہے، صراط مستقیم کے اسی صفحہ میں ان کی نسبت تصریح فرمائی ہے کہ ان سے ایصال ثواب منظور نہیں ہوتا، نہ ان نذر ماننے والوں کے ذہن میں خدا کی عبادت کا تصور یا نیت ہوتی ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ان سے پوچھو کہ بزرگوں کے لیے تم نے اتنا کچھ کر ڈالا، کبھی خدا کے لیے کوئی چیز دی ہے تو وہ جھٹ کہہ دیں گے نہیں۔ بہر حال اس کا انکار ناممکن ہے کہ بعض جاہل یہ مشرکانہ نذر کرتے ہیں۔

۲- دوسری بات ان عبارات سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح نذر مانے کہ اے فلاں بزرگ میرا فلاں غائب لوٹ آئے، یا میرا مریض اچھا ہو جائے، یا میرا کام ہو جائے؛ تو میں اتنا نقد، یا اتنی جنس، یا اتنا تیل بتی آپ کی نذر کروں گا، یا آپ کو دوں گا، تو چاہے اس بزرگ کو مستقل بالذات خدا کا ساجھی سمجھ کر نذر کرے، یا بغیر ایسا سمجھے ہوئے نذر کرے، دونوں صورتوں میں یہ نذر باطل و حرام ہے، اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر دونوں صورتوں کا یہ حکم نہ ہوتا تو فقہاء کرام لازمی طور پر عبارتوں میں کوئی ایسی قید ذکر کرتے جس سے یہ ثابت ہوتا کہ پہلی ہی صورت میں یہ حکم ہے، دوسری میں نہیں؛ لیکن جب کوئی قید ذکر نہیں کی، تو یقینی بات ہے کہ ان فقہاء نے دونوں صورتوں کو حرام قرار دیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ان نذروں کے حرام ہونے کی علت جس کی طرف خود ان عبارتوں میں اشارہ موجود ہے، وہ ان کا وقوع للاموات ہے (یعنی ان نذروں کا مُردوں کے لیے ہونا جو مخلوق ہیں) اور یہ علت یعنی اس نذر کا مخلوق کے لیے ہونا مستقل بالذات سمجھنے کی صورت میں بھی ہے اور مستقل بالذات نہ سمجھنے کی صورت میں بھی؛ پس جب اس علت کی وجہ سے فقہاء نے اس نذر کو حرام کہا ہے، تو چونکہ یہ علت دونوں صورتوں میں پائی جاتی ہے، اس لیے یقیناً ان دونوں کو حرام کہا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ علامہ قاسم پھر علامہ ابن نجیم پھر سید شامی نے اس نذر کی

حرمت کی علت بالتصریح یہ ذکر کی ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لیے ہے، اور مخلوق کے لیے نذر جائز نہیں ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ علت دونوں صورتوں میں یکساں طور پر موجود ہے۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ انھیں حضرات نے بطلان کی دوسری علت یہ ذکر کی ہے کہ نذر میت کے لیے ہے، اور میت مالک نہیں ہوتا، اور ظاہر ہے کہ یہ علت بھی دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

ایک شبہہ کا ازالہ اگر کوئی کہے کہ ان حضرات نے تیسری علت حرمت کی یہ ذکر کی ہے کہ نذر کرنے والے نے اس مردہ بزرگ کی نسبت یہ گمان کیا ہے کہ وہی امور میں تصرف کرتے ہیں نہ خدائے تعالیٰ، اور یہ علت صرف پہلی صورت میں پائی جاتی ہے، لہذا وہی حرام ہوگی جیسا کہ ارشاد الحق ص ۵، اور ص ۶ سے مستفاد ہوتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک تیسری علت پہلی صورت کے ساتھ خاص ہے اور اس علت کی وجہ سے دوسری صورت کی حرمت ثابت نہیں ہو سکتی کہ یہ علت اس میں موجود نہیں ہے، بلکہ دوسری صورت صرف پہلی دونوں علتوں ہی کی بنا پر حرام ہوگی، غایت الامر یہ کہ پہلی صورت تین وجہوں سے حرام ہوگی اور دوسری صورت دو وجہوں سے، لیکن تیسری علتِ حرمت کے دوسری صورت میں نہ پائے جانے سے اس صورت کا جواز ہرگز ثابت نہیں ہو سکتا۔

علاوہ بریں فقہاء نے ان نذروں کی حرمت کو اس اعتقاد پر موقوف نہیں قرار دیا ہے، بلکہ علت حرمت ذکر کرنے کے بعد اس بات کو بطور تعلیق کے ذکر فرمایا ہے کہ اگر میت کے تصرف کا گمان بھی رکھتا ہے، تو یہ اعتقاد کفر ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر یہ اعتقاد نہ رکھے تو کفر نہ ہوگا، لیکن حرمت سے خالی نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ نذر للمخلوق حرمت کے لیے کافی ہے، فقہاء کی عبارت یہ ہے: **ومنها أنه إن ظن أن الميت يتصرف في الأمور دون الله تعالىٰ فاعتقاده ذلك كفر** (شامی وغیرہ)۔ **إن ظن** میں صاف طور پر تعلیق

موجود ہے اور اس پر کفر کا حکم ہے، لہٰذا مفہوم مخالف سے کفر کی نفی ثابت ہوگی نہ حرمت کی۔

ہماری اس تقریر سے مصنف ارشاد الحق کی اس ابلہ فریبی کا پردہ بہت اچھی طرح فاش ہوتا ہے جو اس نے درمختار کی عبارت کا مطلب بیان کرنے میں کی ہے کہ اس سے وہ نذر مراد ہے جو اس گمان پر کی جاوے کہ مثلاً اولیاء اللہ جن کی نذر کی ہے وہی امور میں تصرف کرتے ہیں نہ خدا تعالیٰ (ص ۵)۔ یہ عوام الناس کو کھلم کھلا گمراہ کرنا اور فقہاء کے کلام کی صریح تحریف ہے، میں نے اوپر بدلائل ثابت کر دیا ہے کہ فقہاء نے ہر اس نذر کو جو اولیاء کے واسطے کی جائے اور منذور لہ اولیاء کو بنایا جائے حرام و باطل بالاجماع فرمایا ہے، چاہے اولیاء کو مستقل بالذات سا جھی اور متصرف سمجھ کر کرے یا بلا ایسا سمجھے ہوئے کرے، فرق صرف اتنا ہے کہ پہلی صورت میں کفر اعتقادی بھی ہوگا، اور دوسری صورت میں کفر اعتقادی نہ ہوگا لیکن حرام ضرور ہوگا۔

تیسری بات جو ان عبارات سے ثابت ہوتی ہے، یہ ہے کہ نذریں جن میں منذور لہ اولیاء کو بنایا جاوے، ان کی حرمت نیت ''تقرب الی الاولیاء'' کے ساتھ مقید نہیں ہے، اس لیے کہ عبارتوں میں کوئی ایسی قید مذکور نہیں ہے، لہٰذا مصنف ''ارشاد الحق'' کا درمختار کی عبارت کا مطلب بتاتے ہوئے لکھنا کہ ''نذر اولیاء کا حرام اور باطل ہونا بالاجماع فقط اسی وقت ہے، جب نذر بطور تقرب الی الاولیاء کی جاوے ورنہ نہیں، اور تقرب سے تقرب عبادت کے طور پر ہونا مراد ہے، جس کے سبب سے نذر عبادت ہو جائے'' (ص ۵)

یہ فقہاء کے کلام کی تحریف اور اپنی سخت نافہمی و نادانی کا اظہار ہے، نذر تو خود عبادت و تقرب عبادت کی ایک صورت ہے، اور عبادت مطلقاً بلا کسی قید کے مخلوق کے واسطے حرام ہے، غیر خدا کے لیے اس کی حرمت میں کوئی قید لگانا کب جائز ہو سکتا ہے، اور کسی فقیہ سے ایسا کیوں کر ممکن ہے۔

اصل قصہ یہ ہے کہ مصنف ارشاد نے اپنی ''کمال لیاقت'' کی وجہ سے دو جدا جدا مسئلوں کو ایک سمجھ کر ایک کی قید کو دوسرے مسئلہ میں معتبر مان لیا ہے، در مختار کی عبارت ایک بار پھر پڑھیے، اس میں ایک تو ان نذروں کا حکم بتایا ہے، جو اصحاب مزارات کے لیے کی جاتی ہیں، دوسرے ان نقود واجناس وغیرہ کا حکم بتایا ہے جو بہ نیت تقرب الی الاولیاء بلا نذر مانے ہوئے مزارات پر لے جائے جاتے ہیں، فقہاء نے پہلی چیز کو نہیں بلکہ دوسری چیز کی حرمت کو تقرب سے مقید کیا ہے، مگر مجوزین بدعات نے اس کو اپنی ناواقفی یا بد دیانتی سے پہلے مسئلے میں بھی معتبر قرار دے دیا، حالانکہ اگر معمولی غور وفکر سے بھی کام لیتے تو نہایت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آسکتی تھی کہ پہلی صورت نذر برائے غیر خدا کی صورت ہے، اور نذر خود عبادت ہے، لہذا اس کو ''بطور تقرب عبادت'' کی قید سے مقید کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی، ہاں! دوسری صورت میں یہ قید ضروری ہے، اس لیے کہ اس میں نذر نہیں ہے، بلکہ بلا نذر مانے ہوئے کوئی چیز مزار پر لے جانے کا بیان ہے، لہذا اس کو بطور ''تقرب'' کی قید سے مقید کرنا اور یہ کہنا ضروری ہے کہ اگر وہ چیز مزار پر صاحب مزار کے تقرب کے لیے لے جائی گئی ہو تو حرام ہے، اور اگر اس نیت سے نہیں بلکہ مثلاً اس لیے لے جائی گئی ہو کہ وہاں جو فقراء مستحقین رہتے ہیں ان کو خیرات دی جائے گی، تو جائز ہے۔

نذر اولیاء کی دوسری صورت

اوپر جو کچھ مذکور ہوا، وہ سب اس صورت کے ساتھ مخصوص ہے کہ نذر ماننے والا ولی کے لیے مثلاً اس طرح نذر مانے کہ ''میرا فلاں کام ہوجائے تو فلاں بزرگ کو اتنا نقد یا اتنی جنس نذر دوں گا''۔ لیکن اگر اس طرح نذر نہ مانے بلکہ یوں کہے کہ میرا فلاں کام ہوجائے تو اے اللہ تیرے لیے یہ نذر مانتا ہوں کہ فلاں بزرگ کی درگاہ کے فقیروں اور

محتاجوں کو کھانا کھلاؤں گا، یا ان کی مسجدوں کے لیے چٹائی خرید کر وقف کروں گا، یا ان کی مسجدوں میں روشنی کے لیے تیل خرید کر دوں گا، یا اسی قسم کی دوسری کوئی اور نذر جس میں محتاجوں کا نفع ہو، اور نذر اللہ تعالی کے لیے ہو، باقی بزرگ کا ذکر صرف اشیاء نذر کا مصرف بتانے کے لیے ہو کہ ان بزرگ کی خانقاہ یا مسجد یا درگاہ میں جو مستحق نذر ہیں، ان پر صرف کروں گا، تو اس قسم کی نذر جائز ہے، جیسا کہ علامہ قاسم نے شرح درر البحار میں، علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق میں اور جامعین فتاویٰ عالمگیریہ نے عالمگیری میں، اور سید شامی نے ردالمحتار میں تحریر فرمایا ہے: اللھم إلا إن قال: یا اللہ إني نذرت لک إن شفیتَ مریضي أو رددتَ غائبي، أو قضیتَ حاجتي أن أطعم الفقراء الذین بباب السیدة نفیسة، أو الإمام الشافعي، أو الإمام اللیث، أو اشتری حصیراً لمساجدھم، أو زیتاً لوقودھا، أو دراھم لمن یقوم بشعائرھا إلی غیر ذلک مما یکون فیه نفع للفقراء والنذر للہ عز وجل، وذکر الشیخ إنما ھو محل الصرف و النذر لمستحقیه القاطنین برباطه أو مسجده، فیجوز بھذا الاعتبار، لیکن مسجد کے لیے چٹائی اور تیل کی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں، اس لیے کہ نذر وہی واجب الایفا ہوتی ہے، جس کی جنس سے کوئی واجب شرعی ہو، اور ان دونوں کی جنس سے کوئی واجب شرعی نہیں۔

نذر اولیاء کی تیسری شکل

اور اگر ناذر (نذر ماننے والے) نے تصریح نہیں کی کہ فلاں بزرگ کی یا فلاں بزرگ کے لیے نذر مانتا ہوں، اور یہ بھی تصریح نہیں کی کہ خدا کے لیے نذر مانتا ہوں، بلکہ مثلاً یوں کہا کہ میں فلاں بزرگ کی درگاہ کے لیے پانچ روپے یا مثلاً دس روپے مانتا ہوں، تو اس

صورت کا حکم یہ ہے کہ اگر اس نے صاحب درگاہ بزرگ کے تقرب وتعظیم کی نیت سے یہ کہا ہے تو حرام ہے، اور اگر تقرب وتعظیم اس نذر سے باری تعالیٰ کی مقصود ہے اور یہی نیت اس نے کی ہے، اور ان بزرگ کی درگاہ وغیرہ کی طرف اضافت اس لیے کی ہے کہ اشیاء نذر کا ثواب ان کی روح کو پہنچائے گا، تو فتاویٰ ابی اللیث کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صورت بھی جواز میں آتی ہے، لیکن سید شامی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی جائز نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں اللہ کے لیے نذر کا لفظ نہیں ہے اور نذر اولیاء کے جواز کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ کے لیے نذر کا صیغہ استعمال کیا جائے، چنانچہ جہاں صاحب درمختار نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ جو چیزیں مزارات پر اولیاء کے تقرب کے لیے لے جائی جاتی ہیں وہ حرام ہیں جب تک ان کو فقراء پر صرف کرنے کی نیت سے نہ لے جایا جائے، تو یہاں سید شامی نے مالم یقصدوا صرفها لفقراء الإمام کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے: ای بان تکون صیغة النذر لله تعالی التقرب إليه ويكون ذكر الشيخ مراداً به فقراءه یعنی فقراء پر صرف کرنے کی نیت کا طریقہ یہ ہے کہ صیغہ اللہ کے لیے نذر کا ہو اور بزرگ کے ذکر سے ان کے فقراء مراد ہوں کہ ان کو دوں گا۔ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف دل کی نیت کافی نہیں ہے بلکہ زبان سے نذر کا جو صیغہ بولے وہ اللہ کے لیے نذر کا ہو تب جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

نذر اولیاء کی چوتھی شکل

اگر ناذر نے یوں کہا کہ اے اللہ میری فلاں حاجت پوری ہو جائے یا میرا فلاں کام ہو جائے، تو میں فلاں بزرگ کو ایک گائے یا مرغا یا بکری نذر کروں گا، تو دیکھنا چاہئے کہ جن بزرگ کا نام لیا ہے وہ زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں، اگر زندہ ہیں اور فقہی اصطلاح میں غنی نہیں ہیں اور ناذر نے ان کے تقرب وتعظیم کے قصد سے نذر نہیں مانی ہے، بلکہ تقرب

خداوندی کی نیت کی ہے اور ان بزرگ کی نذر کرنے سے مقصد ان پر تصدق کرنا ہے، تو یہ نذر صحیح ہے؛ اور اگر فقہی اصطلاح میں وہ غنی ہیں اور ان پر تصدق کی نیت کی ہے، تو یہ نذر صحیح نہیں ہے [۱]، نہ اس کا ایفا واجب ہے؛ اور اگر غنی ہوں اور ان کو ہدیہ کی نیت کی ہے اور نذر کا لفظ ادب کی وجہ سے بجائے ہدیہ کے استعمال کیا ہے تو یہ بھی فقہی نذر نہیں ہے، لیکن یہ دونوں صورتیں ناجائز و حرام بھی نہیں ہیں۔ بہجۃ الاسرار وغیرہ میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ وغیرہ کے لیے ان کی زندگی میں نذر لانے کے جو واقعات مذکور ہیں جن کو "بریلوی مجدد" نے سنیہ انیقہ میں نقل کیا ہے وہ سب اسی قبیل سے ہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے انفاس العارفین میں اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبد الرحیم کا منقولہ ذیل واقعہ جو لکھا ہے اس کی بھی یہی صورت ہے، واقعہ سنئے:

حضرت ایشاں می فرمودند کہ فرہاد بیگ را مشکلے پیش افتاد نذر کرد کہ بارخدایا اگر ایں مشکل بسر آید ایں قدر مبلغ بحضرت ایشاں ہدیہ دہم، آں مشکل مندفع شد آں نذر از خاطر او برفت، بعد چندے اسپ او بیمار شد و نزدیک ہلاک رسید، بر سبب ایں امر مشرف شدم بدست یکے از خادماں گفتہ فرستادم کہ ایں بیماری اسپ عدم وفائے نذر است اگر اسپ خود را می

والد بزرگوار فرماتے تھے کہ فرہاد بیگ کو کوئی مشکل پیش آئی اس نے نذر کی کہ اے اللہ اگر یہ مشکل حل ہو جائے تو اتنی رقم حضرت کو ہدیہ کروں گا، وہ دفع ہو گئی، فرہاد بیگ کو نذر یاد نہ رہی، چند دنوں کے بعد اس کا گھوڑا بیمار ہو گیا اور مرنے کے قریب پہنچ گیا، مجھ کو کشف سے اس کا سبب معلوم ہو گیا، میں نے ایک خادم کی معرفت کہلا بھیجا کہ گھوڑے کی بیماری کا سبب نذر کا پورا نہ کرنا

---

(۱) فاضل بریلوی نے خود تصریح کی ہے کہ جب تک خاص فقراء کے لیے نہ کہے نذر شرعی نہ ہوگی دیکھو احکام شریعت حصہ دوم ص ۱۴۱،۱۲ منہ

خواہی نذرے کہ درفلاں محل التزام کردہ بفرست وے نادم شد وآں نذر فرستاد ہماں ساعت اسپ او شفایافت۔	ہے اور اگر گھوڑا چاہتے ہو تو جس نذر کا التزام کیا ہے اس کو بھیجو، وہ شرمندہ ہوا اور نذر بھیجی، اسی وقت اس کا گھوڑا اچھا ہو گیا۔

ناظرین! انفاس العارفین کی یہ عبارت بغور پڑھیں، اس میں تصریح ہے کہ فرہاد بیگ نے باری تعالیٰ کو پکار کر نذر مانی ہے، جو اس کی دلیل ہے کہ یہ نذر خدا کے لیے ہے، پھر اس نے یہ کہا ہے کہ ''میں حضرت ایشاں کی خدمت میں اتنی رقم ہدیہ کروں گا''۔

''حضرت ایشاں کی نذر کروں گا'' نہیں کہا ہے، لیکن اگر نذر ہی کا لفظ بولتا اور ہدیہ مراد لیتا جب بھی یہی حکم ہوتا۔

مجھے فاضل بریلوی کی اس بے مائیگی پر سخت افسوس ہے کہ انھوں نے انفاس العارفین کی عبارت میں دو ایک جگہ نذر کا لفظ دیکھ لیا اور ایک بے معنی شور مچانا شروع کر دیا ''کہ عام مسلمان جو نذریں اولیاء کی مانتے ہیں وہ سب جائز ہیں اور ان کا جواز خود ''وہابیوں'' کے پیشواؤں سے ثابت ہے''۔ یہ نہ دیکھا کہ یہ نذر کن الفاظ میں اور کس طرح کی گئی ہے اور عوام جہال انھیں الفاظ میں اور اسی طرح کی نذر مانتے ہیں یا دوسری طرح؟

اور اگر وہ بزرگ وفات پا چکے ہیں اور ناذر نے انھیں کے تقرب کے قصد سے یا ان کو متصرف وکارساز سمجھ کر نذر مانی ہے، تو حرام ہے، اور یہ نذر کرنے والا مرتد ہے؛ اور اگر یہ دونوں باتیں نہ ہوں بلکہ نذر صرف خدا کے تقرب کے قصد سے مانی ہو اور ان بزرگ کو نذر کرنے سے صرف صدقہ کا ثواب ان کو پہنچانا مراد ہو تو جائز ہے۔

فتاویٰ ابی اللیث کی عبارت جو ارشاد الحق ص ٦ میں نقل کی گئی ہے وہ میرے اس بیان کی روشن حجت ہے وھی ھذہ:

الناذر لغیر اللّٰہ إن قصد بالنذر	غیر خدا کے نام والی نذر سے اگر نذر کرنے

التقـرب إلـى غيـر اللّـه وظن أنـه يتصـرف في الأمور كلها دون اللّٰه فـنذره حرام وباطل وارتداده ثابت، وان قصـد بـالـنذر التقرب الى اللّٰه وإيـصـال الثواب إلى الأولياء ويعلم أنـه لا تتـحـرك ذرة إلا بـإذن الـلّٰه ويـجـعـل الأولـيـاء وسائل بينه وبين الـلّٰه في حصول مقاصده فلا حـرج فيه وذبيحته حلال طيب.

والے نے تقرب غیر خدا کا قصد کیا ہو اور یہ گمان کیا ہو کہ غیر خدا (ولی) ہی تمام کاموں میں تصرف کرتا ہے نہ اللہ تعالی تو اس کی نذر حرام و باطل ہے اور اس کا ارتداد ثابت، اور اگر نذر سے خدا کے تقرب کا قصد کرے اور ولی کو ثواب ہدیہ کرنے کی نیت کرے اور یقین رکھے کہ بے اذن خدا ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کرتا اور ولیوں کو اپنے اور خدا کے درمیان حصول مقاصد کے لیے وسیلہ بنائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کا ذبیحہ حلال ہے۔

اور میزان شعرانی سے جناب بریلوی نے جو یہ نقل کیا ہے کہ ”سیدی محمد شاذلی رحمہ اللہ سے سرکار رسالت پناہ ﷺ نے خواب میں فرمایا کہ تم کو کوئی حاجت پیش آجائے تو نفیسہ طاہرہ کے لیے کچھ نذر کرو، چاہے ایک پیسہ ہو، تمھاری حاجت پوری ہوگی“ تو اس ارشاد نبوی کی یہی مراد ہے کہ ایک ہی پیسہ یا اور کوئی چیز صدقہ کرو، اور اس کا ثواب نفیسہ طاہرہ کی روح کو ہدیہ کرو، اس کے سوا دوسری کوئی مراد نہیں ہو سکتی کہ حضور ﷺ خود ارشاد فرما چکے ہیں:

إنما النذر ما ابتغي به وجه اللّٰه

شرعی نذر صرف وہی ہے جس سے باری تعالی کا تقرب و رضامندی مطلوب و مقصود ہو۔

لہٰذا اس خواب میں جو ارشاد ہوا کہ انذر لنفيسة الطاهرة اس کی مراد یہ ہے کہ نذر تو خدا ہی کے لیے ہو، ہاں ثواب نفیسہ طاہرہ کو نذر کیا جائے یعنی ہدیہ کیا جائے۔

اور اسی کے قریب وہ بات بھی ہے جو علامہ عبد الغنی نابلسی نے ”حدیقہ ندیہ“ میں

ذکر کی ہے اور فاضل بریلوی نے اس کو "سنیہ انیقہ" میں نقل کیا ہے:

والنذر لهم بتعليق ذلك على حصول شفاء أو قدوم غائب فانه مجاز عن الصدقة على الخادمين لقبورهم.

یعنی اسی قبیل سے ہے اولیاء کے لیے نذر کرنا اس نذر کو معلق کر کے صحت کے حصول یا غائب کے آنے پر، اس لیے کہ اس نذر سے مجاز اًخادمین قبور پر صدقہ کرنا مراد ہے۔

اور اسی قبیل سے انفاس العارفین کا وہ واقعہ بھی ہے جس کو انہی بریلوی فاضل نے سنیہ انیقہ میں نقل کیا ہے،[1] اور وہ یہ ہے:

حضرت ایشاں در قصبہ ڈاسنہ بزیارت مخدوم الہ دیا رفتہ بودند شب ہنگام بود دراں محل فرمودند مخدوم ضیافت ما می کنند ومی گویند چیزے خوردہ روید، توقف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد وملال بر یاراں غالب آمد، آنگاہ زنے بیاید طبق برنج وشیرینی برسر وگفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت ایں طعام پختہ بہ نشینندگان درگاہ مخدوم الہ دیا رسانم، دریں وقت آمد ایفاء نذر کردم۔

والد بزرگوار مخدوم الہ دیا کی زیارت کو ڈاسنہ گئے ہوئے تھے اسی جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری ضیافت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کچھ کھا کر جاؤ، اس لیے ٹھہر گئے یہاں تک کہ آدمیوں کی آمد ورفت بند ہوگئی اور ساتھی اکتا گئے، اس وقت ایک عورت سر پر ایک طبق میں چاول اور شیرینی لے آئی اور کہا میں نے نذر مانی تھی کہ میرا شوہر آجائے تو یہ کھانا پکا کر مخدوم الہ دیا کی درگاہ میں بیٹھنے والوں کے پاس پہنچاؤں گی، چنانچہ اس وقت آگیا اور میں نے نذر پوری کی۔

اشیاء نذر کا حکم

اوپر نفس نذر کا حکم بتایا گیا ہے، اب میں ضروری سمجھتا ہوں کہ نذر کا مصرف اور منذور کا حکم بھی صاف صاف بتادوں واللہ الموفق للصواب والیه المرجع في كل باب.

جاننا چاہئے کہ ناذر نے جس چیز کی نذر مانی ہے وہ اگر کوئی جانور ہے اور ناذر نے اس کے ذبح کی نذر مانی ہے، اور یہ نذر ولی کے لیے اور اس کے تقرب کے واسطے ہے، یا نذر خدا کے لیے مانی ہے اور ذبح سے تقرب ولی کا مقصود ہے، تو دونوں صورتوں میں ذبیحہ مردار وحرام ہے (فتاویٰ ابی اللیث)

اور اگر ذبح کر کے اس کا گوشت للہ خیرات کرنے کی نذر مانی ہے اور ذبح بہ نیت تقرب الی اللہ کیا ہے تو ذبیحہ حلال ہے، اسی طرح جانور کو خدا کے تقرب کے لیے ذبح کرنے کی نذر کی ہے اور اسی کے تقرب کے لیے ذبح کیا ہے جب بھی حلال ہے۔

مصنف ارشاد الحق نے بلا رد وانکار بلکہ اپنے خیال میں اپنے مدعا کی تائید کے لیے حضرت مولانا عبد الحی رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے کہ "شیخ سدو وغیرہ کا بکرا کہ خاص غیر اللہ کے لیے اس میں جان دینا مقصود ہوتا ہے اور خون بہانا تقرباً الی اللہ غیر مقصود ہوتا ہے حرام ہے نہ ذبیحہ فاتحہ بزرگان کہ جس میں خون بہانا اللہ کے ہوتا ہے اور مقصود ایصال ثواب ہوتا ہے (ارشاد الحق ص ۱۷) اور اگر منذور جانور نہ ہو، بلکہ کوئی دوسری شی ہو اور اس کی نذر ولی کے لیے کی ہو اور اس سے ولی کا تقرب مقصود ہو، تو وہ بھی حرام ہے، اس کا کھانا پینا یا لینا کسی کو جائز نہیں ہے۔ شرح درر البحار پھر بحر الرائق پھر شامی میں ہے:

لأنه حرام وسحت ولا يجوز أخذه لخادم الشيخ.	وہ حرام ہے اور اس کا لینا اس بزرگ کے خادم کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

حتی کہ اگر وہ خادم نہایت محتاج اور صاحب عیال ہو اور وہ سب کمانے سے بھی عاجز ہوں اور وہ اس منذور کو از سرنو صدقہ کی نیت سے لے، منذور کی نیت سے نہیں، تب بھی اس کا لینا نادرست ہے۔ جب تک کہ نذر ماننے والا تقرب خدا کی نیت نہ کرے اور فقراء پر صرف کرنے کا ارادہ نہ کرے، اور بزرگ کی نذر سے قطع نظر نہ کرے، یعنی جب تک کہ نذر کی نیت بدل نہ ڈالے جیسا کہ شرح درر البحار وغیرہ مذکورہ بالا کتب فقہ میں یہ بھی مصرح ہے۔

اور اگر نذر ولی کے لیے نہ ہو بلکہ خدا کے لیے اور اسی کے تقرب کی نیت سے ہو، اور ولی کے نام لینے سے مقصد یہ ہے کہ ان کی درگاہ کے فقراء کو خیرات کروں گا تو اس صورت میں درگاہ کے فقیر محتاج ہی اس کو لے سکتے ہیں، غنی کو لینا حرام ہے، فاضل بریلوی کی احکام شریعت حصہ اول ص ۹۵ میں ہے کہ "نذر شرعی غیر فقیر کو جائز نہیں" اور جو نذریں کہ حرام نہیں ہیں، لیکن وہ فقہاً صحیح نذر بھی نہیں ہیں ان کو فقیر و غنی سب کھا سکتے ہیں، لیکن واقف کار کو چاہئے کہ ناذر کو یہ بتا دے کہ تمھاری نذر صحیح نہیں ہوئی، اب ہدیہ کی حیثیت سے کہو تو ہم کھا لیں۔

متفرقات

مسئلہ ۱– کسی بزرگ کی درگاہ کے فقراء پر صدقہ کرنے کی نذر مانی تو ضروری نہیں ہے کہ انھیں پر صدقہ کرے، دوسرے فقراء کو بھی دے سکتا ہے (رد المحتار ص ۱۳۲)

مسئلہ ۲– کسی بزرگ کے مزار پر چراغ جلانے کی نذر ماننا باطل ہے۔

۳– اسی طرح منارہ میں چراغ جلانے کی نذر بھی باطل ہے (رد المحتار ص ۱۲۲) علامہ شامی نے یہ تصریح بھی فرمائی ہے کہ میلاد کی نذر ماننا اس طرح کہ وہ غناء اور لہو پر مشتمل ہو پہلی دو صورتوں سے زیادہ برا ہے۔

۴– فاضل بریلوی نے لکھا ہے کہ تعزیہ کا چڑھا ہوا کھانا نہ چاہئے..... تعزیہ پر چڑھانے سے

حضرت امام رضی اللہ عنہ کی نیاز نہیں ہوجاتی اور اگر نیاز دے کر چڑھائیں یا چڑھا کر نیاز دلائیں تو اس کے کھانے سے احتراز چاہئے (اعالی الافادہ ص۱۴)

۵- فاضل بریلوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ تعزیہ بنانا اور اس پر نذر و نیاز کرنا، عرائض بامید حاجت برآری لٹکانا...... جس طرح عوام زمانہ میں رائج ہیں، بدعت سیئہ وممنوع وناجائز ہیں (اعالی الافادہ ص۱۵)

۶- انہی "فاضل" نے لکھا ہے کہ غیر خدا کے لیے نذر فقہی کی ممانعت ہے (سنیہ انیقہ ص۶۴)

۷- عودلوبان وغیرہ کوئی چیز نفس قبر پر رکھ کر جلانے سے احتراز چاہئے اگر چہ کسی برتن میں ہو...... اور قریب قبر سلگانا...... کہ صرف قبر کے لیے جلا کر چلا آئے تو ظاہر منع ہے کہ اسراف واضاعت مال ہے (سنیہ انیقہ ص۶۲ مولوی احمد رضا خاں)

۸- یہی مولوی صاحب احکام شریعت حصہ اول ص۴۲ میں لکھتے ہیں کہ: "فاتحہ کا کھانا قبروں پر رکھنا ویسا ہی منع ہے جیسا چراغ قبر پر رکھ کر جلانا"۔

۹- اور ص۳۹ میں لکھتے ہیں کہ: "چراغ جلانے سے اگر اس کے حقیقی معنی مراد ہیں یعنی خاص قبر پر چراغ رکھنا تو مطلقاً ممنوع ہے، اور اولیاء کرام کے مزارات میں اور زیادہ ناجائز ہے کہ اس میں بے ادبی و گستاخی اور حق میت میں تصرف ودست اندازی ہے"۔

۱۰- اسی کتاب کے ج۱ص۱۴ وج۱ص۱۵ میں حسب ذیل سوال وجواب درج ہیں: "بعض لوگ کہتے ہیں کہ فلاں درخت پر شہید مرد ہیں اور فلانے طاق میں شہید مرد رہتے ہیں، اور اس درخت اور اس طاق کے پاس جا کر ہر جمعرات کو فاتحہ شیرینی اور چاول پر دلاتے ہیں، ہار لٹکاتے ہیں، لوبان سلگاتے ہیں، مرادیں مانگتے ہیں، اور ایسا دستور اس شہر میں بہت جگہ واقع ہے، کیا شہید مردان درختوں یا طاقوں میں رہتے ہیں اور یہ اشخاص حق پر ہیں یا باطل پر؟

الجواب:— یہ سب واہیات وخرافات اور جاہلانہ حماقات وبطالات ہیں ان کا

ازالہ لازم، ما انزل اللہ بها من سلطان ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحانہ وتعالی اعلم کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا۔

افادہ: — یہ جو بعض عوام کسی بزرگ کے نام کی گائے یا بکرا یا مرغا ذبح کرتے ہیں اوراس کے ذبح سے ان کا مقصود اس بزرگ کی تعظیم ہوتی ہے جیسا کہ مولانا محمد معین بن مولانا محمد مبین لکھنوی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہما نے لکھا ہے، تو یہ گائے یا بکرا یا مرغا حرام ہے، مولانا موصوف الصدر نے اپنے فتوے مکتوبہ ۱۲۴۵ میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

پھران جانوروں کی حرمت اسی صورت میں منحصر نہیں ہے کہ ان کو غیر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے، بلکہ اگر خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے، مگر ذبح سے مقصود کسی بزرگ کی تعظیم ہو، تو اس کی حرمت میں بھی شک نہیں ہے۔ بدعت کے حامی اور گور پرستی کے مبلغ لوگ جو یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ کسی بزرگ کے نام کا جانور جب اللہ کا نام لے کر ذبح کردیا گیا، تو وہ حلال وطیب ہوگیا، بالکل غلط اور تصریحات فقہ حنفی کے سراسر خلاف ہے، درمختار وغیرہ کی وہ عبارت آپ ابتداء رسالہ میں پڑھ چکے ہیں جس میں یہ مذکور ہے کہ بادشاہ یا امیر کی آمد پر کوئی جانور اگر خدا کا نام لے کر بھی ذبح کیا تب بھی حرام اور ما أهل به لغير الله میں داخل ہے، بعینہ یہی بات مولانا محمد معین نے جامع سے نقل کی ہے، جامع کی عبارت ملاحظہ ہو: لو سمي وذبح لقدوم الأمير أو غيره من العظماء لا يحل لأنه ذبح تعظيماً له لا لله تعالىٰ. یعنی اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہا اور امیر کی یا کسی بڑے کی آمد پر جانور ذبح کیا تو وہ حلال نہ ہوگا، اس لیے کہ اس نے اس امیر یا بڑے شخص کی تعظیم کے لیے ذبح کیا ہے، اللہ کی تعظیم کے لیے نہیں کیا، مولانا موصوف ہی نے مطالب المؤمنین سے نقل فرمایا ہے: ذبح للضيف شاة وسمىٰ لله تعالى يحل ولو ذبحه لقدوم الأمير أو واحد من العظماء وذكر اسم الله تعالىٰ لا يحل یعنی اگر مہمان کے لیے بکری ذبح

کی اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا تو حلال ہے، اور اگر امیر یا کسی بڑے شخص کی آمد پر ذبح کیا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہا تو حلال نہیں ہے[1]، نیز مطالب المؤمنین ہی سے یہ نقل کیا ہے:

اگر مردے گوسفند یا مرغ بر سر گور قرا بتے یا شہیدے یا بر سر گور مردہ خویش بسمل کند یا بر سر مزار ہائے دروغے از خود کشیدہ باشند وگویند دریں موضع شہیدان را دیدہ ایم ویا در وقت بتر شاندن در خانہ ویا نچک فرو بردن در چاہ وآباد کردن ویا بجنگل چوں شگون نیک شود گوسپند بسمل کنند ایں ہمہ قربانیہا برائے خدائے عز وجل نیست بدیں ہم کفر لازم آید وقربانی مردار گردد۔	اگر کوئی آدمی اپنے کسی عزیز قریب کی قبر پر یا کسی شہید کے مزار پر بکری یا مرغا ذبح کرے یا ان جھوٹی خود ساختہ قبروں پر جن کے متعلق اڑا دیتے ہیں کہ یہاں ہم نے شہیدوں کو دیکھا ہے یا مکان کا سنگ بنیاد یا کنوئیں میں نیچک (جموٹ) رکھنے کے وقت یا جنگل میں گاؤں آباد کرتے وقت نیک شگونی کے لیے جو بکری ذبح کرتے ہیں یہ سب ذبیحے اور قربانیاں خدا کے لیے نہیں ہیں اس سے کفر بھی لازم آتا ہے۔

بہر حال جو جانور تعظیم غیر خدا کے لیے ذبح کیا جائے، وہ مردار وحرام ہوگا، چاہے ذبح کے وقت اس پر خدا ہی کا نام لیا گیا ہو۔ لہذا جن علماء حقانیین نے یہ بات لکھی ہے کہ جو جانور کسی بزرگ کے نام سے نامزد کر دیا جائے اور اس بزرگ کے نام سے اس کی تشہیر کی جائے، وہ خدا کا نام لے کر ذبح کیا جائے تب بھی حرام ہے، بالکل صحیح اور تصریحات فقہاء کے عین مطابق ہے، اور اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ جانور اس بزرگ کی تعظیم اور اس کے تقرب ورضا جوئی کے لیے ذبح کیا جاتا ہے۔

---

(۱) کتب فقہ میں جو ذبح لقدوم الامیر کا یہ مسئلہ لکھا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح بڑے افسران حکومت کی آمد پر ان کے اعزاز میں آج کل توپیں داغی جاتی ہیں اسی طرح عہد سابق میں جانوروں کے ذبح کرنے کا بعض جگہ دستور تھا اس ذبیحہ کو فقہا نے حرام لکھا ہے کیونکہ اس سے غیر خدا کا اعزاز اور رضا جوئی مقصود ہوتی تھی ۱۲م

افادۂ ثانیہ:- بعض بدعت نواز مولویوں نے نامزد کرنے کی یا تو مراد نہیں سمجھی، یا جان بوجھ کر عوام الناس کو مغالطہ دینے کے لیے یوں کہتے ہیں کہ محض نامزد کر دینے سے کوئی جانور کیسے حرام ہوسکتا ہے، دیکھئے زید کی گائے، عبدالرحمٰن کا دنبہ، عقیقہ کا بکرا، ولیمہ کی بھیڑ کہہ کر عمر بھر پکارا لیکن ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کیا تو وہ حلال وطیب ہے (ارشاد الحق ص۸)

حالانکہ ایک جاہل بھی غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ ان مثالوں میں تعظیم غیر خدا یا تقرب الی غیر اللہ کی نیت نہیں پائی جاتی، نہ ان اضافتوں سے کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ زید یا عبدالرحمٰن کی تعظیم کے لیے یا اس کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے گا، برخلاف بڑے پیر کے بکرے یا مدار کے مرغے والی مثال کے کہ اس میں بہت سے جاہل عوام بکرے یا مرغے کے خون بہانے سے بڑے پیر یا مدار کی رضا جوئی و تعظیم کا اعتقاد رکھتے ہیں، اور ان کے اس اعتقاد پر ان کے اعمال وافعال دلالت کرتے ہیں، مثلاً جو جاہل ایسا اعتقاد رکھتا ہے وہ جس بکرے کو بڑے پیر کے نام پر نامزد کر چکا ہے، اس کے علاوہ دوسرے بکرے کو ذبح کرنا کبھی گوارا نہیں کرتا نہ دوسرے کو ذبح کرنا کافی سمجھتا ہے، حالانکہ بدعت نواز مولوی صاحبان جو تاویل ان جہلا کی طرف سے وکیل بن کر کرتے ہیں کہ ان جہلا کا مقصد درحقیقت بڑے پیر کو ایصال ثواب کرنا ہے، یہ تاویل اگر صحیح ہوتی تو دوسرا بکرا تو درکنار بازار سے گوشت خرید کر فقراء پر تقسیم کرنے کو بھی کافی سمجھتے، لیکن ہر واقف کار جانتا ہے کہ یہ جاہل لوگ اس کو کسی طرح کافی نہیں سمجھتے۔

افادۂ ثالثہ:- اسی جگہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جو آنحضور ﷺ کی طرف سے قربانی کی، یا حضور ﷺ نے جوامت کی طرف سے قربانی کی اور فرمایا اللّٰھم تقبل عن امتی، یا آنحضور ﷺ نے حضرت سعد کو اپنی ماں کی طرف سے

صدقہ کرنے کی یہ صورت ارشاد فرمائی کہ ایک کنواں کھدواؤ اور کہو کہ یہ سعد کی ماں کے لیے ہے، ان مثالوں میں اور بڑے پیر کے بکرے والی مثال میں کوئی نسبت نہیں ہے، یہ سب مثالیں تعظیم وتقرب غیر خدا کے شائبہ سے پاک اور خالی ہیں، برخلاف بڑے پیر کے بکرے والی مثال کے کہ وہ اس شائبہ سے پاک نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص عید اضحیٰ کے موقع پر ایک بکرا یا گائے بڑے پیر کی طرف سے قربانی کرے تو یہ بے شبہ جائز ہے اور اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں، اسی طرح کوئی شخص کسی بزرگ کو ایصال ثواب کرنے کے لیے اس کی طرف سے کوئی کنواں کھدوائے، تو اس کے جواز میں بھی کسی کو کلام نہیں ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان صورتوں میں قربانی وغیرہ سے خدا کا تقرب مطلوب ومقصود ہوتا ہے نہ کہ بڑے پیر یا کسی بزرگ کا، ہاں اس قربانی وصدقہ کا ثواب ان بزرگ کو پہنچانا بیشک مقصود ہوتا ہے فوضح الفرق ولیکن هذا آخر الكلام والحمد لله المنعام.

تمت

MADRASA MIRQATUL ULOOM

P.O. BOX No. 1, MAU - 275101 (U.P) INDIA

Ph. 2220469